

سخنان

حسینیہ حضرت غفران مآبؑ کے عہد بہ عہد حالات

آیۃ اللہ سید دلدار علی غفران مآبؑ اُس ذات گرامی کا نام نامی ہے جس نے عراق و ایران سے بحیثیت فقیہ و مجتہد جامع الشرائط ہندوستان واپس آکر حسب خواہش رئیس دیندار سر فر از الدولہ نواب حسن رضا خاں لکھنؤ میں قیام فرمایا اور کئی سالوں تک شہر لکھنؤ میں اصلاح و تبلیغ کا کام انجام دیا ساتھ ہی دوسرے اضلاع میں جا کر علماء سے مناظرے اور مباحثے بھی کئے جب کافی حد تک اخباریت اور صوفیت کو شکست دے لی تو ایک دن یہ ہمت بھی کر ہی لی کہ اب شیعہ ایمان ہند کی نماز جماعت الگ قائم کی جائے اور نواب حسن رضا خاں کے محل میں ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ روز جمعہ نماز ظہرین پڑھائی جس میں نواب آصف الدولہ کے علاوہ دوسرے نواب زادگان و رؤساء شریک تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہندوستان میں شیعہ کی پہلی نماز جماعت تھی۔ غور طلب بات ہے کہ جمعہ کا دن اور وہ شخص مقتدی ہے جو نماز جمعہ کے سلسلے میں استدلالی رسالہ بھی تحریر کر چکا ہے اور جس کا مطالعہ نوابین و عہدیداران و تعلیم یافتہ حضرات کر بھی چکے ہیں پھر بھی نماز کسی مسجد میں نہ ہو کر قصر حسن رضا خاں میں ہو رہی ہے اور جب قصر میں ہو رہی ہے تو لامحالہ عوام کا زیادہ گزر نہ ہوگا بس خواص ہی خواص ہوں گے اور پھر نماز جمعہ ہوئی بھی تو ۲ رجب ۱۲۰۰ھ کو شاید نواب ہی کے قصر میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ کی نظر دیکھتی ہے کہ کب کیا ہونا چاہئے، چند سال تبلیغی و اصلاحی کوششیں کیں پھر جمعہ کے دن ۱۳ رجب کو نماز ظہرین قصر نواب میں پڑھا کر پہلے خواص کو عملاً اپنا ہم خیال بنالیا پھر نماز جمعہ کی تیاری شروع کر دی۔ بہر حال جتنی بھی کسر رہ گئی تھی اسے پوری کر کے آخر کار ۲ رجب کو نماز جمعہ پڑھا دی۔ غفران مآبؑ کے بڑے فرزند سلطان العلماء حضرت رضوان مآبؑ کی ولادت باسعادت ۱۷ صفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۴ھ کو لکھنؤ میں ہوئی اور نماز جمعہ ۲ رجب ۱۲۰۰ھ میں ہوئی اس بات سے عام آدمی بھی یہ نتیجہ تو نکال ہی سکتا ہے کہ ابھی علمی اعتبار سے غفران مآبؑ کی ذات تنہا ہے پھر بھی صوفیت و اخباریت نیز صاحبان اقتدار کی غلط کاریوں سے مقابلہ کر کے شیعہ قوم کو بحیثیت قوم پیش کر دیا ہاں اتنا ضرور ہے کہ غفران مآبؑ کے امور خیر میں شریک و سہم خاص طور پر نواب حسن رضا خاں اور چند رفقاء اور ممکن ہے کچھ مبتدی تلامذہ ہوں لیکن آہستہ آہستہ وسیع و عریض ہندوستان میں بسنے والے مومنین کے لئے رسالے کے رسالے تیار کر دیئے جنہوں نے مذہب حقہ کے مخالفین سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ پہلے اپنے شریعت کدہ پر اور پھر حسینیہ میں جسے علماء دارالسلام ہند کہتے تھے مدرسہ علم و اجتہاد قائم فرمایا اور جس کے سیکڑوں طلاب کو اجازت پیش نمازی دے کر ہندوستان بھر میں بکھیر دیا انھیں تلامذہ میں تقریباً ایک درجن علماء ایسے بھی تھے جو درجہ فقاہت و اجتہاد پر فائز ہوئے اور خود غفران مآبؑ نے انھیں اجازت اجتہاد بھی عطا فرمائے جن میں سے آپ کے بیٹے آیۃ اللہ سید مہدی کا جوانی میں انتقال ہو گیا مگر دوفرزند یعنی سید العلماء آیۃ اللہ سید حسین علیہن مکان (جنھیں چھوٹے قبلہ و کعبہ یا میرن صاحب کہا جاتا تھا) پہلے اور ان کے بعد

سلطان العلماء آیۃ اللہ سید محمد رضوان ماب (جنہیں بڑے قبلہ و کعبہ کہا جاتا تھا اور جو اودھ میں حکومت شرعیہ کے بانی تھے) بعد میں پوری دنیائے شیعیت میں اعلم مانے گئے، اس بات کو صاحب جوہر اور صاحب ضوابط کی تحریروں سے سمجھا جاسکتا ہے اور مزید معلومات کے لئے علامہ مفتی میر محمد عباس شوستری کے تصانیف (۱) اوراق الذہب (عربی، حالات سید العلماء) (۲) ظل ممدود (مکاتیب عربیہ علماء اعلام واجوبہ مکاتیب) (۳) ظل ممدود (مکاتیب فارسیہ علماء عظام وجوابات خطوط) (۴) رطب العرب (دیوان عربی) (۵) مرتضیات حسینیہ (فارسی، حالات سید العلماء) (۶) اخلاق حسینیہ (فارسی، حالات سید العلماء) وغیرہ کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

غرض کہ ایک غفران ماب اور دسیوں کام (فرزندان و تلامذہ تو پندرہ بیس سال بعد ہاتھ بٹائیں گے) تمام علوم کی تدریس بھی فرما رہے ہیں اور مخالف علماء سے مناظرے اور مباحثے بھی کر رہے ہیں، بدعات و بے جاسوم کا خاتمہ بھی کر رہے ہیں اور صوفیت و اخباریت پر زبان و قلم سے بھرپور وار بھی، شیعوں کے عبادات و تبلیغی اجتماعات کے لئے مسجدیں اور عز خانوں کی جگہ جگہ تعمیر بھی ہو رہی ہے اور سنی شیعہ اتحاد کی فضا بھی سازگار کی جا رہی ہے، عوام کے ساتھ نوابین و حکام تک کو پابند دین و مذہب بھی کیا جا رہا ہے اور خلق خدا کے سیراب ہونے کے لئے جا بجا کنوئیں بھی بنوائے جا رہے ہیں بلکہ عراق میں نہر آصفی بھی تیار ہو رہی ہے۔ ایک طرف بڑے کتب خانے کی تشکیل میں مصروف تو دوسری طرف تحقیق و تصنیف میں مشغول اور ایسے کارنامے کہ دنیا بھر کے علماء حیرت میں پڑ گئے، اگر غرباء و مساکین کی امداد ہو رہی ہے تو طلب دینیہ کا جی بھر تعاون بھی اور یہ سلسلہ صرف لکھنؤ پر ختم نہیں ہوا بلکہ نجف، کربلا اور دیگر مقامات مقدسہ کے علماء و طلاب تک کو مدد پہنچائی جانے لگی ساتھ ہی روضہ حضرت امام حسین ارواحنا فی القدا کی تعمیر میں حصہ اور ۱۲۱۹ھ تک تو ہر تحریک کامیاب ہی کامیاب اور عہد امجد علی شاہ میں جب حکومت شرعیہ کا قیام ہوا تو (اگرچہ حضرت غفران ماب رحلت فرما چکے تھے) تحریک غفران ماب کو معراج ہی حاصل ہو گئی تھی۔

جہاں جناب غفران ماب دیگر امور خیر کی تعمیل کے لئے بے حد کوشاں رہے وہیں نشر حسینیہ و ترویج عزاداری میں ساری زندگی کمر بستہ رہے اور یہ کام ان کی نظروں میں اتنا اہم تھا کہ دنیا سے جاتے جاتے اپنے فرزندوں کو عزائے سید الشہداء کو فروغ دینے کی وصیت بھی کرتے گئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی خاندان اجتہاد، تقریباً تیس تصانیف خصوصاً اثارۃ الاحزان علی القتل العشان (معتبر مصائب حضرت سید الشہداءؑ بزبان عربی) اور دو مسجدوں کے علاوہ دو عز خانے آپ کی یادگار ہیں۔

غفران ماب کے عزائی خدمات کو قدسی جائسی نے اپنے ”خاندان اجتہاد“ نامی مسدس میں بڑے ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے چند بند ملاحظہ ہوں:

تیرا جلوہ ڈھونڈتی تھی ہند کی تیرہ فضا ہند کا تاریک مطلع تو نے روشن کر دیا
تو نے فرمائی حسینی انجمن آراستا تو ہوا بانی عزائے سید مظلوم کا

بن گیا تو خود شہیدؑ کربلا کا سوگوار
 اہل ایمان کو رلایا صورت ابر بہار
 روشن اس عالم میں کی شمعِ عزا صد مرحبا جب حسینی کا رنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
 کربلا کا واقعہ اک قصہٴ پارینہ تھا لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے نا آشنا
 تو نے سمجھی قدر خون ناحق معصوم کی
 تو نے ترویج عزائے سید مظلوم کی
 ہدیہ حق، سبط پیغمبر حسین ابن علی از سرنو جس نے بخشی دین حق کو زندگی
 ہندو لوگوں کی نظر میں اس کی وقعت کچھ نہ تھی معرفت کی شمع تو نے انجمن افروز کی
 تو نے سمجھے ماتم سلطان دیں کے فائدے
 پائے مضر اس میں ارباب یقین کے فائدے
 سب کو شیدائے امام انس و جاں فرما دیا ملک دل میں سکھ عرفاں رواں فرما دیا
 مدتوں سے جو نہاں تھا وہ عیاں فرما دیا راز مخصوص بقائے دیں بیاں فرما دیا
 طاعت حق سمجھی لوگوں نے اطاعت شاہ کی
 یاد فرزند پیمرؑ ٹھہری یاد اللہ کی
 تو نے اپنے جانشین سے بہر ترویج عزا کی وصیت اے عزادار شہید کربلا
 اس وصیت میں کچھ ایسا زور تھا تاکید کا جانشینوں میں ترے جاری ہے اس کا سلسلہ
 تیری سعی بار آور مستحق داد ہے
 سب کے لب پر نام شہ کا، دل میں شہ کی یاد ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت غفران مآبؑ اور ان کے پانچ آیات عظام فرزندوں کے تلامذہ سے جو علمی خانوادے تیار ہوئے کسی کی یادگار میں کوئی قابل ذکر اما مبراۓ نہیں ہے لیکن حضرت غفران مآبؑ نے ایک عزا خانہ اپنے وطن میں بنوایا اور ایک لکھنؤ میں اور دونوں حسینؑ غفران مآبؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے اکبر اولاد سلطان العلماء کے فرزند اکبر منصف الدولہ شریف الملک مولانا سید محمد باقر نے ایک کربلا تعمیر کروائی جو کربلائے منصف الدولہ یا مولوی صاحب کی کربلا یا کربلائے مہدی گنج کے نام سے مشہور ہے اور جناب کے اصغر اولاد سید العلماء سید حسین کے دو نامور فرزندوں یعنی ممتاز العلماء سید محمد تقی اور زبدۃ العلماء سید علی

نقی نے الگ الگ امام باڑے بنوائے جو حسینہ جنت مآب اور حسینہ مولانا علی نقی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اور سب ہی میں سال بھر مجلسوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہندوستان کیا ایران و عراق میں بھی روضہ خوانی (ذاکری) کم علم یا بے علم افراد کرتے تھے مگر غفران مآب نے ہندوستان میں اس کمی کو یوں پورا کیا کہ مواعظ اور فضائل و مصائب کے لئے منبر کو اپنایا اور پھر ان کی نسل کے زیادہ تر فقہاء و علماء جناب کی سیرت پر عمل کرتے رہے اور آج جس ڈھنگ کی ذاکری رائج ہے اس کے بانی بھی خاندان اجتہاد ہی کے ایک عظیم فقیہ و محقق یعنی بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین (جناب علین صاحب) طاب ثراہ ہیں۔

بحر العلوم کے بعد اس خانوادے کے علماء نے اپنی شہرہ آفاق ذاکری کے ذریعہ جو عز کی خدمت کی وہ قطعاً ناقابل فراموش ہے اس گروہ کے سربراہ اور وہ افراد میں خطیب اعظم مولانا سید سبط حسن فاطر، کہف العلماء آیۃ اللہ سید ابن حسن، حکیم الامتہ علامہ ہندی آیۃ اللہ سید احمد، ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین (کتبن صاحب)، سید العلماء آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی، خطیب اکبر سید الواعظین مولانا سید اولاد حسین شاعر (لکن صاحب)، فقیہ مؤتمن ممتاز العلماء سید ابوالحسن (من صاحب پدر سید العلماء)، انتخاب العلماء عمدۃ الواعظین مولانا سید سبط محمد ہادی (کلن صاحب)، سید العلماء آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ، صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب رحمت مآب اور علامہ نصیر اجتہادی طاب ثراہم ہوئے ہیں۔ اور آج بھی ممتاز حیثیت سے مفکر اسلام ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ، قائد ملت جتہ الاسلام مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ اور خطیب انقلاب مجاہد ملت سید حسن ظفر صاحب قبلہ وغیرہم مستقل خدمتِ عز میں مصروف ہیں۔

غفران مآب کے عہد سے سلطان العلماء بلکہ ملک العلماء کے بعد بحر العلوم تک مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا زمانہ رہا چونکہ مرثیے کے کچھ اجزا ضمیر لکھنوی ہی کے وقت میں طے ہو گئے تھے اور پھر عہد انیس و دہیر میں تو یہ فن شباب پر تھا، ایک ہی واقعہ کو طرح طرح سے نظم کرنا کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اس تغیر و تبدل میں بات یا واقعہ کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی طبع زاد واقعہ نظم ہوتا تھا یہ بات فقہاء و علماء خاندان اجتہاد کو ناگوار گذرتی تھی چنانچہ ابتداء ہی میں اپنے ہی عز خانے میں غفران مآب نے ایک غلط تخیل نظم کر کے پڑھتے ہوئے میر ضمیر کو ٹوک دیا بلکہ یہ کہہ کے منبر سے اتار لیا کہ یہ غلط بیانی کی جگہ نہیں ہے اور فوراً سلطان العلماء سے کہا کہ منبر پر تشریف لے جائیے اور آج سے آپ خطاب فرمائیں گے چنانچہ اب سلطان العلماء ذاکری فرمانے لگے اور دس محرم کی مجلس ہمیشہ غفران مآب ہی پڑھتے تھے۔ سلطان العلماء کے بعد ملک العلماء مغفرت مآب نے ذاکری کی ان کے بعد ملاذ العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن صاحب اور بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین علین صاحب نے اور ان لوگوں کے بعد آیۃ اللہ سید ابوالحسن رضوی کشمیری شاگرد رشید تاج العلماء نے چند سال ذاکری کی اور ان کے ارتحال کے بعد بحکم قدوۃ العلماء عمدۃ العلماء ذاکر شام غریباں مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ذاکری کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے، کتب صاحب کے انتقال کے بعد سے صفوۃ العلماء مولانا

کلب عابد صاحب قبلہ نے مجلسیں پڑھی اور اب مولانا کے جانشین قاندلت خطاب فرما رہے ہیں۔

گذشتہ سطور میں میں نے یہ بات لکھی تھی غفران مآب اور ان کی اولاد امجاد کے علاوہ ان کے تلامذہ میں جو علمی خانوادے تیار ہوئے ان میں سے کسی نے بھی اقامت عزاء و نشر حسینیہ کے لئے کوئی قابل ذکر مرکز یعنی حسینیہ تعمیر نہیں کیا اور نہ ہی ان میں کوئی لائق ذکر ذکر کر ہوا یہ جو چند دنوں سے علمی خانوادے میں ایک ایک ذکر دکھائی دے رہے ہیں یہ خدمت عزاء کے سلسلے کی پہلی ہی کڑیاں ہیں۔

غفران مآب کا میر ضمیر کو نمبر سے اتار لینے کے بعد خاندان اجتہاد کو اس کی بھی فکر ہوئی کہ فن نہیں بلکہ فریضہ مرثیہ نگاری کو بھی علماء کے سپرد کیا جائے چنانچہ فقہاء ہی کے اشارے پر خاندان اجتہاد کے کچھ علماء نے مرثیہ نگاری پر خصوصی توجہ دی اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ لکھنؤ میں مرثیہ کے چار دبستان ہو گئے یعنی دبستان عشق، دبستان انیس، دبستان دبیر اور دبستان خاندان اجتہاد۔

دبستان خاندان اجتہاد کے ان ممتاز شعراء کے اسماء پیش ہیں جو علماء میں بھی محسوب تھے۔ مولانا سید محمد جعفر امید اجتہادی، خلاق مضامین مولانا نواب سید مہدی حسین ماہر اجتہادی، مولانا محمد اصطفیٰ (لڈن صاحب) خورشید اجتہادی، استاذ الاساتذہ مولانا نواب سید اصغر حسین فاخر اجتہادی، ملک الشعراء مولانا سید بندہ کاظم جاوید اجتہادی، عمدۃ الشعراء مولانا سید ساجد حسین فہیم جاسی، و عبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاکر اجتہادی، فخر الزا کرین مولانا وجاہت حسین ناظم اجتہادی، لسان الشعراء مولانا سید مجاور حسین تمنّا جاسی، سید الواعظین خطیب اکبر مولانا سید اولاد حسین شاعر و غیر ہم نیز غیر علماء میں شاعری سید صادق علی ”چھنگا صاحب“ حسین جاسی وغیر ہم اور نو حہ نگاری کو تو اس خانوادے کے شعراء نے آسمان ہفتم پر پہنچا دیا بلکہ ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ہندوستان میں صرف خاندان اجتہاد کے علماء و شعراء ہی کے نوے زیادہ تر پڑھے جاتے رہے ہیں۔ آئیے اب اس ماتم کدہ کی تاریخ پیش کریں جو ہندوستان میں سب سے اہم تبلیغ حقائق و معارف اسلام، نشر حسینیہ اور ترویج عزائے سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کا مرکز ہے یعنی غفران مآب کا امام باڑہ۔

حسینیہ حضرت غفران مآب تاریخ کی روشنی میں

۱۲۱۰ھ میں غفران مآب نے ایک غیر پختہ عز خانہ تعمیر کروایا جو علامہ کا مدرسہ علم و اجتہاد بھی تھا اور فروغ عزاداری کا مرکز بھی اور یہی سند قدوۃ العلماء نے ”حالات خاندانی“ میں اور سید العلماء نے ”تذکرۃ العلماء“ میں تحریر فرمایا ہے اور خود عمدۃ العلماء نے اپنے بیان مجلس شام غریباں میں یہی سن پیش کیا ہے۔ لیکن پختہ اور عالی شان عز خانہ کی حیثیت سے ۱۲۲۷ھ میں تعمیر ہوا جیسا کہ جاس کے مشہور تاریخ نگار سراج الشعراء مولانا سید آل محمد مہر جاسی نے اپنی کتاب ”خاندان اجتہاد کے علمی و ادبی خدمات“ میں اور مشہور سوانح نگار زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی نے اپنے مضامین اور کتابوں میں اور دیگر علماء و ادباء نے تحریر فرمایا ہے اور بندہ نے ایک مخطوطے میں اس کا تاریخی نام ”رشک جنت“ پڑھا ہے اور مولانا سید تقی حسن نقوی تقی جاسی نے ”تاریخ جاس“ میں اس کا تاریخی نام ”آخرت گاہ“ تحریر کیا ہے۔

۱۲۳۱ھ میں غفران مآبؒ کے فرزند علامہ و فقیہ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے والد کے امام باڑہ میں مدفون ہوئے مدرسہ عز خانہ میں چل ہی رہا ہے پھر غفران مآبؒ نے کچھ کمرے اساتذہ و طلاب کے لئے اور تعمیر کروائے تو خود ہی تاریخ نکالی:

”مزار و مدرسہ ہم جائے ماتم سبطین“

۴ ۳ ۲ ۱ ۵

نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین ابن زبدۃ العلماء ابن سید العلماء ابن حضرت غفران مآبؒ نے اپنی کتاب ”نجوم توارخ“ (۱۳۱۶ھ) میں لکھا ہے کہ غفران مآبؒ نے ”شہر لکھنؤ میں بھی ایک وسیع و پُر فضا امام باڑہ تعمیر فرما کر وقف فرمایا اور اس مقام کو مجلس فضائل و مصائب، مدرسہ اور محل قبور مقرر فرمایا جیسا کہ مصرع مادۃ تارخ جو کہ خود جناب غفران مآبؒ نے نظم فرمایا ہے اور دیوار امام باڑہ مذکور میں بقلم جلی لکھوایا ہے جو بخوبی واضح ہوتا ہے اور وہ مصرع یہ ہے ”مزار و مدرسہ ہم جائے ماتم سبطین“ (۱۳۱۷ھ) اور اسی امام باڑہ میں وہ جناب مدفون ہوئے اور اکثر خاندان اجتہاد و دیگر علماء و فقہاء و اقلیاء کے قبور ہیں الحق کہ یہ امام باڑہ نہایت مقام طیب و طاہر و جائے نزول رحمت حضرت غافر ہے اور بعد عتبات عالیات عرش درجات کے یہ زمین بھی کم از روضہ جنت نہیں ہے اور اسی امام باڑے کے جانب غرب ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے مگر حیات میں انجناب کے تعمیر نہ ہونے پائی تھی بعد انتقال انجناب کے صاحبزادہ سلطان العلماء نے تعمیر فرمائی۔

۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو حضرت غفران مآبؒ نے رحلت فرمائی، لکھنؤ کیا پورا ہندوستان ماتم کدہ بن گیا جگہ جگہ ہندوستان میں غفران مآبؒ کی ترحیم روح کے لئے مجالس و قرآن خوانی و اطعام کا سلسلہ مہینوں چلتا رہا۔ اس عہد کا کون سا عربی، فارسی اور اردو کا شاعر تھا جو مرثیہ و قطعات توارخ نظم کرنے میں مصروف نہ رہا ہو یہی نہیں بلکہ ایران و عراق کے فقہاء و علماء و ادباء بھی ہندیوں کے اس غم میں شریک رہے اور ان میں سے بہتوں نے مرثیہ نظم کر کے سلطان العلماء و سید العلماء کے پاس بھیجے۔

علامۃ العلماء آیۃ اللہ سید احمد علی محمد آبادی طاب ثراہ نے بھی تاریخ وفات لکھی جس کے چند شعر پیش ہیں:

فقیہ و مجتہد و عالم و مروج دیں	شریف مکہ علم و کمال و فضل و تقا
ضیائے دیدہ دروازہ مدینہ علم	عزیز مصر سیادت، سپہر مجد و علا
ندید چشم فلک مثل ایں مجدد دیں	کہ شاہد اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در خور علم و کمال داشت ازاں	کہ شد ز روز ازل مہبط فیوض خدا
بہ آبیاری ارشاد آں سحاب فیوض	دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا
رسید چوں شب تاسع عشر ز ماہ رجب	سفر بروضہ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جانگاہ شیعیاں یکسر	بسوز سینہ نمودند ماتے برپا

چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں روداد بدل گذشت کہ تاریخ آں کنم انشا
سروشِ غیب ہمان وقت ناگہاں فرمود ستون دیں بزمین اوفاد و اویدا
۵ ۳ ۲ ۱ ۵

ایک دوسرا قطعہ جو ”نجوم توارخ“ میں موجود ہے اس کے چند اشعار پیش ہیں:

میر دلدار علی سلطان ملک اجتہاد نیک سیرت، پاک طینت، کوہ تمکلیں، دیں پناہ
شد نہاں در مغرب مرقد چو آں خورشید دیں روز روشن چوں شب یلدا بچشم شد سیاہ
شارع شرع متین وحائی دین میں نور چشم مصطفیٰ، لخت دل شیر الہ
داشت از انوار فیض دہر را روشن مدام در جوانی بود چوں خورشید در پیری چوماہ
بود باہر کس مساوی خلق او بے بیش و کم پیش او بودند یکساں اہل فقر و اہل جاہ
مثل او کس دفع شر عدو اللہ نشد دین احمد را نباشد مثل او کس خیر خواہ
بیگماں عیسیٰ نفس بودے پئے احیاء دیں میر ساندے بر صراط مستقیم آں خضر راہ
از برائے صید مرغان معانی بلند دام گستر دے بروئے صفحہ از تار نگاہ
کافراں از خود اگر آرند ایماں دور نیست جہد او نگذاشتہ در حق و باطل اشتباہ
سالِ تاریخ وفات آں جناب مستطاب گفت دل۔ اے مقتدائے شیعیاں حیدر آہ
۵ ۳ ۲ ۱ ۵

مولانا میرنشی غلام حسین رضوی شائق جاسی (پل غلام حسین لکھنؤ میں آپ ہی کے نام سے مشہور ہے) لکھتے ہیں:

بغم سید دلدار علی ہادی دیں کہ نبذ مثلش و ہمتاش ز دنیا شدہ حیف
جگر فرقہ اثنا عشری چاک بچاک دل ہر مومن دیندار شدہ غم کدہ حیف
بہ جہاں شور قیامت شدہ کو دامن خویش بہ ہوائے سفر ملک بقا برزدہ حیف
پئے تاریخ وفاتش چو کشو دم بسوال لب پر شور بحالے کہ بدل پر بدہ حیف
ملکے گفت نمودند بخاکش چونہاں مہ تابان ہدایت بکسوف آمدہ حیف
۵ ۳ ۲ ۱ ۵

(ماخوذ از دیوان دوازدهم شائق جاسی مرحوم)

قطعہ تاریخ مولانا سید محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی متوفی ۱۲۹۰ھ

قبلہ اہل حدیث و کعبہ اہل کلام روح قدسی، پیشوائے جن و انساں ہائے ہائے
جامع معقول و منقول، اشرف ابرار عصر علم و افقہ، پناہ اہل ایمان ہائے ہائے
نائب پاک ائمہ، بحر زہد و علم و فضل میر دلدار علی ہادی دوراں ہائے ہائے
اورع و اتقی، کلیم اوج طور اجتہاد ہست تصنیفات او بے حد و پایاں ہائے ہائے
نظم کردم مصرع تاریخ رحلت اے منیر وارث سلم پیہر، اوج ایمان ہائے ہائے

۵ ۳ ۲ ۱ ۵

مقتدائے عارفان حق، ملاذ مومنین ناصر اسلام و دیں، حامی شرع اعتقاد
چھوڑ کر یہ عالم فانی گئے سوئے بہشت ہوئی روح معطر خلقت رحمت سے شاد
دوسری تاریخ میں نے اور موزوں کی منیر ہائے بدر پاک دیں، مہر سپہر اجتہاد

۵ ۳ ۲ ۱ ۵

(ماخوذ از کلیات منیر شکوہ آبادی ص ۵۹۶، مطبع شمر ہند، لکھنؤ)

سلطان العلماء رضوان مآب نے اپنے عہد میں امام باڑہ سے متصل ایک مسجد تعمیر کی جواب بھی پرانی تعمیر ہی کی صورت میں موجود ہے۔ جس کے سنگ تعمیر پر کندہ ہے:

أَشْهَدُ أَنَّ مُؤَلَّانَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيًّا وَلِيُّ اللَّهِ

۹ ۳ ۲ ۱ ۵

۱۲۹۰ھ میں جناب سید واجد علی صاحب رئیس کی کوشش سے عمارت حسینیہ میں کچھ ترمیم ہوئی اور صدری دروازہ تعمیر ہوا

اس موقع پر علامہ مفتی میر محمد عباس شوستری شاگرد سید العلماء نے قطعہ تاریخ نظم فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

این تعزیت سرا کہ ز غفران مآب ہست مانند کعبہ، قبلہ حاجات مرد و زن
ایجا ہزار مرتبہ مجلس بنا شدہ از قطرہ ہائے اشک قتادہ دُر عدن
ہر صفہ و رواق دے و ہر حظیرہ اش پاکیزہ منزل بر کاتست بے سخن
این خوابگاہ مجتہد العصر والزماں سید محمد است حسین است و ہم حسن
در ہر مقام وے کہ ستونے ستادہ است سرویت از حدیقہ و شمعیست در لگن
چوں از جہائے دہر دراں رنحہ قتادہ بشکست خانہ دل ما از غم و وزن

والا نژاد سید واجد علی بنام
یکجا سعادت دو جہاں درسہ روح اوست
از حب اہلبیتؑ کہ دارد باب وگل
تعمیر آں تمام شد از اہتمام او
دروازہ جدید بنا کرد یک طرف
دوشینہ التماس زمن کرد عالمی
چوں صبح دم ز خامہ من ریخت رشحہ ہا
گل کرد سال ایں ہمہ تعمیر از قلم

توفیق یافتہ ز خداوند ذوالمنن
در چار عنصر است تولائے پنجتن
گردید در بنائے حسینہ قطرہ زن
مانند نظم بیت بگلک وزبان من
چوں باب صبر پیش روی خانہ محن
تاریخ ایں بنا کہ پسندید اہل فن
باد صبا کشود دو صد نافہ ختن
شد نو بنو بنائے عزاخانہ کہن

۰ ۹ ۲ ۱ ۵

قدوة العلماء آیۃ اللہ سید آقا حسن کے بنا کردہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس دوم منعقدہ لکھنؤ ۱۹۰۸ء میں لسان
القوم مولانا سید علی نقی صفی لکھنوی مرحوم نے جو محسّس پڑھا تھا اور جس میں امام باڑہ غفران مآب کی مرمت کے لئے مومنین سے امداد
طلب کی تھی اس کے چند بند حاضر ہیں۔

اے لکھنؤ اے مرکز! ہم اہل تشیع کے
زندہ ہیں ترے مردے، مردہ ہیں ترے زندے
کیا ہو گئے بتلا تو ارباب ہم تیرے
اے کاش کوئی دیکھے عبرت کی نگاہوں سے
وہ قبلہ و کعبہ کا مشہور عزاخانہ
گرتی ہوئی دیواریں ہیں قوم سے فریادی
یہ مقبرہ اس کا ہے جو قوم کا تھا ہادی
ہستی کا عمارت کی لبریز ہے پیانہ
تیری رگ غیرت میں گر کچھ بھی حرارت ہے
جو ہند کے خطہ میں اک تختہ جنت ہے
چندہ نہ کہوں اس کو ہے خلد کا بیعانہ
بس قوت ہمدردی دل میں نہ اٹھا محشر
فصد رگ غیرت کو درکار نہیں نشتر
ہاں جوش میں اب آ جا یہ نظم صفی سن کر
اے خون جوانمردی اے ہمت مردانہ

پھر اجلاس سوم شیعہ کانفرنس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۰۹ء میں حضرت صفی نے ایک جو ”معذرت نامہ“ نامی نظم پڑھی پیش ہے:

ابھی کچھ اور سُنے جاؤ ہم کو کہنے دو
وفائے وعدہ ہے دشوار وعدہ آساں ہے
قصور وار ہیں دل کو ملال ہو کہ نہ ہو
علاج کر نہ سکے اپنے دل کے داغوں کا
ہمارے جلسہ قومی کا تھا وہ پہلا سال
جناب قبلہ و کعبہ کا تعزیه خانہ
اجل نے کی ہے جہاں ہر طرف چمن بندی
نہ جاؤ دور یہیں علم کے دینے ہیں
یہی ہے منزل روشن فلک وقاروں کی
پڑے ہیں پھول وہ بکھرے زمیں کے دامن پر
اسی بہشت کے قصروں کا حال ابتر ہے
اگرچہ ایک نظر دیکھ لیجئے روکار
ستون خم کا اشارہ ہے یہ خوش اعمالو!
ہمارا ہند میں ہاں وادی السلام ہے یہ
مٹا جو نقش تو آئے گا قوم پر دھبّا
ہوئی یہ انجمن جعفریہ کی تحریک
یہ لکھنؤ نے مگر طے کیا کہ حسبِ رواج
ہمیں کریں گے مرمت امام باڑہ کی
چنانچہ فکر یہی تھی اسی کی تھی تدبیر
وہ پیش آتے رہے واقعات جانفرسا
گذر گئی جو گذرنی تھی نیم جانوں پر
چلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا الٹی

ہمارے دکھتے ہوئے دل پہ ہاتھ رہنے دو
کیا ہے جرم اگر بخش دو تو احساں ہے
ہمیں خیال ہے تم کو خیال ہو کہ نہ ہو
دکھائیں خاک تماشا بجھے چراغوں کا
کہ اس طرف متوجہ ہوا تھا سب کا خیال
قیامت آئی بنا چاہتا ہے ویرانہ
جھلک رہی ہے مزاروں سے اک نشاں مندی
سپردِ خاک عجب قیمتی گنینے ہیں
فرو دگاہ چمکتے ہوئے ستاروں کی
دکھا رہا ہے یہ طبقہ بہشت کا منظر
پڑے ہوئے ہیں وہ رخنے کہ عقل ششدر ہے
شکست دل کی خبر دیں گے خود درودیوار
سنجھانا کہ چلا میں سنبھالنے والو!
مقدس اور متبرک عجب مقام ہے یہ
یہ حال سن کے نہ کیوں اہل دل کو جوش آتا
کہ اس چمن کی درستی میں دل سے ہے وہ شریک
ہم اپنے زخم جگر کا کریں گے آپ علاج
ہمیں پہ فرض ہے خدمت امام باڑے کی
کہ ناگہاں ہوئی ظاہرِ نحوست تقدیر
کہ ہم کو ہائے کسی بات کا نہ ہوش رہا
یہ شعر حضرت آتش کا تھا زبانوں پر
کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا الٹی

اسی موقع پر امام باڑہ غفران مآب کے تعمیر فنڈ میں امداد کے لئے کتاب ”لخت جگر“ کی خریداری کی قوم کو توجہ دلانے کے

لئے ایک قطعہ بھی صحتی مرحوم نے جلسہ میں پڑھا تھا:

ہمارا جوش بھی افسوس جوشِ وقتی ہے صحتی یہ کہہ کے مرا دل ہے خود بھرا آتا
خرید لیتی جو قوم ایک ایک ”لختِ جگر“ امام باڑہ غفران مآب بن جاتا

”شیعہ کانفرنس کی ایک روئیداد سے پتہ چلتا ہے کہ امام باڑہ کی شیعہ کانفرنس کی جانب سے ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۱ء کے درمیان کچھ مرمت ہوئی تب بھی بہت کچھ باقی تھی، یہ عزاخانہ کی روک تھام کا سبب ہوئی لیکن افسوس کہ اس مرمت میں اس کے بہت سے کتبے چونے سے سفید ہو گئے اور اب صرف ایک شجرہ جو قبر اقدس حضرت غفران مآب کے حجرے کی دیوار پر موجود رہ گیا ہے حالانکہ وہ بھی جا بجا سے مٹ گیا ہے لیکن اگر وہ باقی ماندہ بھی مٹ گیا تو ایک بڑی چیز ہاتھ سے جاتی رہے گی۔“

اجلاس ہشتم شیعہ کانفرنس منعقدہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ء بمقام لکھنؤ صحتی نے پھر ایک نظم

تصنیف کر کے پڑھی، ملاحظہ ہو:

قوم کچھ تجھ کو زمانے کی خبر ہے کہ نہیں دل بے حس پہ ترے کوئی اثر ہے کہ نہیں
دردِ مندانِ محبت کی بھی کچھ ہے پروا پاس دل ہے کہ نہیں تیرے جگر ہے کہ نہیں
ہم نے مانا ترا آغاز بہت اچھا تھا لیکن انجام پہ بھی اپنے نظر ہے کہ نہیں
مٹتے جاتے ہیں سب آثارِ قدیمہ تیرے باز پرس اس کی بتادے ترے سر ہے کہ نہیں
دور کیوں جاؤ یہیں ایک عزاخانہ ہے جس پہ تم ناصیہ ساتھے یہ وہ در ہے کہ نہیں
قبلہ و کعبہ نے تعمیر کیا تھا جس کو درو دیوار شکستہ وہی گھر ہے کہ نہیں
اس عمارت کی مرمت کو مکمل کر دے ہم میں اتنا بھی کوئی حوصلہ ور ہے کہ نہیں
ہو سر سبزہ خوابیدہ کوئی سایہ فگن اس چمن میں کوئی ایسا بھی شجر ہے کہ نہیں
یادگارِ علماء آہ مٹی جاتی ہے قوم اے قوم توجہ کچھ ادھر ہے کہ نہیں
اٹھیں گردان کے اب دامنِ ہمتِ للہ باندھیں پیکرِ نازک میں کمر ہے کہ نہیں
قافلہ آپ کے اسلاف کا پہنچا ہے جہاں آپ کو بھی وہی درپیش سفر ہے کہ نہیں
مضحلِ قوتِ احساس ہوئی جاتی ہے چارہ گر کوئی دوا زود اثر ہے کہ نہیں
ساری دنیا کی ترقی کا ہے محنت پہ مدار ہم میں قلتِ اسی عنصر کی مگر ہے کہ نہیں
نیک و بد ہم کو سکھاتا ہے زمانہ لیکن کچھ نہیں سوچتا یہ ضعفِ بصر ہے کہ نہیں
قوم اے پیکرِ بے حس ترے پتھر دل میں قطرہ خوں نہ سہی کوئی شرر ہے کہ نہیں

شکن زلفِ گرہ گیر میں الجھی ہے نگاہ
نزع کا وقت ہے دم توڑ رہا ہے اسلام
بارہویں چاند امامت کے نکل آ جلدی
کاش اٹھے پردہ غیبت کہ ہوں روشن آنکھیں
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی بھی خبر ہے کہ نہیں
صفِ ماتم پہ کوئی خاک بسر ہے کہ نہیں
دوش پر حفظِ الہی کی سپر ہے کہ نہیں
شبِ فرقت کی خدا جانے سحر ہے کہ نہیں
موعظہ رنگِ تغزل میں ہے دلکش ایجاد
دیکھ لو نظمِ صفی سلکِ گہر ہے کہ نہیں

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہشتم منعقدہ ۱۸، ۱۹، ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹ رذیقہ ۱۳۳۲ھ بمقامِ رفاه عام کلب لکھنؤ زیر صدارت آیت اللہ علامہ سید علی حارّی لاہوری کی روئید اور مرتبہ مولانا سید علی غضنفر اجتہادی جزل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس میں نواب سید محمد ذکی خاں صاحب ہاتف کی سفارتی رپورٹ بھی شائع ہوئی تھی جس میں ہاتف مرحوم لکھتے ہیں کہ ”لکھنؤ تہذیب و شائستگی، خلق و مروت، فصاحت و بلاغت، سخاوت و ایمان داری، خوش وضعی و وضع داری کے علاوہ قومی بلکہ مذہبی اعتبار سے تمام ہندوستان میں ایک نہایت درجہ ممتاز، قابلِ فخر اور دارالعلم والعمل ہے، جو اپنی ندرت کے اعتبار سے قلبِ ہندوستان کے مبارک لقب سے مخاطب ہونے کا پورا مستحق ہے..... فرمانروایانِ سلطنت اودھ کا ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۷۲ھ تک یعنی ایک سو اکتالیس سال تک دارالسلطنت رہا ہے جہاں کے تاجدار از ابتدا تا انتہا سب ہی شیعہ تھے، حیدر کرار علیہ السلام تھے، اسی بنا پر سلطنت اودھ، سلطنتِ ایران کے بعد تمام عالم میں عدیم النظیر سلطنت تھی جس کے بقیہ آثار ہی دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔..... امام باڑہ جنابِ غفران مآب حجۃ الاسلام آیت اللہ فی الانام جناب مولانا السید ولد علی صاحب علی اللہ مقامہ کا بنا کردہ ہے اور محلہ پانا نالہ میں واقع ہے نہایت مقدس و تبرک و قدیم عمارت ہے اور تاریخ اس بنا کی ”مزار و مدرسہ ہم جائے ماتم سبطین“ ہے۔ اس امام باڑے میں اکثر علماء و مجتہدین کے قبور مقدسہ وقفِ خاص میں ہیں اور اکثر مومنین اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بعض علماء بھی وقفِ عام میں دفن ہیں مگر افسوس کہ یہ مقدس عمارت ایسے حالِ خراب میں مبتلا ہے کہ خود اپنے حالِ زار پہ زار زار رو رہی ہے۔ امام باڑہ کن کن ناہبان حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خوابگاہ ہے ان میں سے ہر ایک بزرگوار اپنے اپنے زمانے میں حجۃ الاسلام، آیت اللہ فی الانام، محی السنۃ اور قاصد الضلالتہ والبدعۃ تھا۔

”تذکرہ جنابِ عمدۃ العلماء“ میں ہے (بقولِ رآز اجتہادی) کہ حسینہ غفران مآب ۱۹۱۵ء کی برسات میں شکست و ریخت کی زد میں آیا مولانا سید سبط محمد ہادی عرف مولانا کلتن صاحب کی کوشش سے کچھ اس کی مرمت ہو سکی پھر ایک مرتبہ اس کی شہ نشین دھنس گئی۔ جنابِ عمدۃ العلماء نے ڈھائی تین ہزار روپے کے خرچ سے میرے زیر نگرانی اس کی تعمیر کرائی۔

۱۹۸۱ء جب ۱۳۳۶ھ کو زیر سرپرستی قدوة العلماء طاب ثراہ حسینہ غفران مآب میں حضرت غفران مآب کی صد سالہ یادگار کی عظیم الشان مجلس میں قدسی جانی مرحوم نے جو مسدس پڑھا تھا اس میں غفران مآب سے خطاب ہے کہ

تجھ کو تھی اک خاص ارادت حضرت شبیرؑ سے کشتہ تیر و سنان و نیزہ و شمشیر سے
 سید خونیں کفن سے، سرورِ دلگیر سے فاطمہؑ زہرا کے ماہِ کامل التئور سے
 آیتِ عشقِ حسینؑ ہے حسینہؑ ترا
 مرکزِ جذبِ حقیقی ہے حسینہؑ ترا
 اس حسینہؑ کا رتبہ ہو نہیں سکتا بیاں کربلائے ہند ہے یہ خطہٴ جنتِ نشان
 بعدِ مردن مل گئی دو گز زمیں جس کو یہاں فی الحقیقت پا گیا گویا وہ عمرِ جاوداں
 اس کے دامن میں نہاں وہ گوہرِ شہوار ہیں
 جن کے دل زیرِ زمیں بھی مطلعِ انوار ہیں
 گو ہے آغوشِ حسینہؑ میں تو رونقِ فزا دل شکستہ پھر بھی ہے یہ تیرے غم کا مبتلا
 دل بہت مشتاق ہے تیری نگاہِ لطف کا گویہ بے حس تھا مگر پھر بھی کلیجہ پھٹ گیا
 ٹوٹی دیواریں، شکستہ در ہیں اک تصویرِ غم
 بے ترے یہ حال اس کا ہو گیا تیری قسم
 چادرِ گلِ قبرِ اطہر پر چڑھاتا ہوں حضور گل بھی وہ گل جن کے جلووں سے نخلِ رخسار حور
 خونِ دل پانی ہوا جب تو ہوا ان کا ظہور جتنے گل ہیں اتنے دل ہیں دل وہ ساطعِ جن سے نور
 لالہ زارِ فکر کے جلوے ہیں یا روشن چراغ
 جلوہ زارِ نظم کے غنچے ہیں یا پھولوں کا باغ
 آستیاں بوسی کی حسرت کھینچ لائی ہے مجھے جنبشِ جذبِ عقیدت کھینچ لائی ہے مجھے
 جوشِ خونِ ارادت کھینچ لائی ہے مجھے لکھنؤ تک کوئی قوت کھینچ لائی ہے مجھے
 کہہ خدا سے دن پھریں جائس نصیر آباد کے
 اب تو پانی پھر رہا ہے نام پر اجداد کے

ماہنامہ ”مبلغ“، لکھنؤ کے ”غفرانِ مآب“ نمبر ”رجب و شعبان ۱۴۲۹ھ میں (جس کے مدیر ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور اجتہادی تھے) ایک مضمون ”حسینہؑ غفرانِ مآب“ سے متعلق مولانا علی داور صاحب کا شائع ہوا تھا جو اس ”خاندانِ اجتہاد نمبر شمارہ ۸ میں شائع کیا جا رہا ہے اور چند نظمیں شائع ہوئی تھیں ان سب ہی میں امامباڑہ کی تعمیر کی اپیل ہے۔ اگرچہ اب اس تحریک کی سب

سے فعال ذات دنیا میں نہیں رہ گئی یعنی جناب قدوۃ العلماءؒ (جو ہمیشہ اس عزا خانے کی مرمت میں داسے، درمے، قدمے، ستنے مصروف رہے) کا ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ پیدائش مطابقت ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء کو انتقال ہو چکا ہے مگر ان کا صالح جانشین تو موجود ہے۔
غفران مآب نمبر کے وہ اشعار جو حسینہ غفران مآبؒ سے تعلق رکھتے ہیں پیش ہیں۔ مولوی دلدار علی راز فرماتے ہیں:

مجہد کیا مجہد گر آپ تھے اسلاف میں منفرد تھے، تھا نہ کوئی دوسرا اصناف میں
آپ کا چلتا تھا سکہ ہند کے اکناف میں مجہد ہوتے رہے ہیں آپ کے اخلاف میں

آپ نے اونچا کیا پہلے لوائے اجتہاد

آپ سے قائم ہوئی بے شک بنائے اجتہاد

آپ بہر خاتم اسلام تھے گویا نگلیں آپ ہی سے ہند والوں میں ہوئی تجدید دیں
محفل اسلام کے تھے آپ ہی مسند نشیں آپ ہی سے کتنی شمعیں ہند میں روشن ہوئیں

کس نے کس نے آپ کے آگے نہیں کھولی کتاب

اصل فرع علم دیں تھے آپ ہی غفران مآبؒ

آپ کا مرہون منت آج تک اسلام ہے نام سے سرکار ہی کے خاندان کا نام ہے
آپ ہی کا آج تک جاری یہ فیض عام ہے مہر اس پر آپ کی ہے جو چھلکتا جام ہے

مست وحدت ہو گیا گر پی لیا جام آپ کا

ہو گیا ساقی وہی جس نے لیا نام آپ کا

کام آئی ہے ہمارے آج ہمت آپ کی بار آور ہو گئی جو کچھ تھی محنت آپ کی
کار موئی کر گئی سعی ہدایت آپ کی مشعل حق بن گئی دنیا میں زحمت آپ کی

مرکز کفر و جہالت تھا جہاں میں لکھنؤ

آج دارالعلم ہے ہندوستان میں لکھنؤ

آپ نے ہم کو دکھائی عز و شان اجتہاد ہر قدم سے آپ کے ظاہر تھی آن اجتہاد
ہے قبیلہ آپ ہی کا بوستان اجتہاد آپ پر نازاں نہ کیوں ہو خاندان اجتہاد

کارنامے کربلا کے ہو چلے تھے دل سے دور

عزتِ خون شہیداں آپ نے رکھ لی حضور

ڈوب جانے سے بچایا دیں کا بیڑا آپ نے خون دل سے گلشن مذہب کو سینچا آپ نے
 پا کے بے حس قوم کو ہمتائے عیسیٰ آپ نے روح تازہ پھونک دی تن میں مسیحا آپ نے
 کوششوں سے آپ کی اسلام زندہ ہو گیا
 لیجئے اللہ کروٹ پھر زمانہ سو گیا
 آپ سے اسلام کو حاصل ہوا عزّ و وقار آپ تھے ملک شریعت کے جہاں میں تاجدار
 سو گئے ہم کو جگا کر آپ خود زیر مزار آج عبرت کا نمونہ ہے شکستہ یادگار
 کس طرح در منہدم، دیوار خم دیکھا کریں
 آپ کی آرام گاہ مٹ جائے ہم دیکھا کریں
 دفن ہونے کے لئے ہے تختہ جنت زمیں مل گئی دو گز جگہ پھر ہم کو مطلب کچھ نہیں
 گرتا ہے کس کا مکاں تھا کون اس گھر کا مکیں دفن ہونا ہے ہمارا ہو ہی جائیں گے کہیں
 ہو گیا گر بند وقف عام کیا پرواہ ہے
 عیش باغ آرام کرنے کو ہے سیدھی راہ ہے
 ہائے یہ غفلت ہماری ہائے یہ خواب گراں ہند میں جو جو بھی ہے شمع شریعت ضوفشاں
 آپ کے پرتو سے وہ روشن ہے اب تک بیگماں مٹ کے سرکار شریعت، بن گئے کتنے مکاں
 نام سے تھا آپ کے اپنا زمانہ میں وقار
 خاندان تو مٹ چکا اب مٹ رہی ہے یادگار
 کل تو تھے تیار تعمیر عمارت کے لئے ہے گراں امداد ہم کو اب مرمت کے لئے
 جو بھی ہمدردی تھی وہ سب تھی ضرورت کے لئے دوسرا گھر دیکھ لیں گے اپنی تربت کے لئے
 یہ تو مانا یہ مکاں ہے قصر جنت کا جواب
 ایسے کاموں کے لئے پیسہ نہیں لیکن جناب

پروفیسر ناصری کہتے ہیں:

آہ وہ قبلہ و کعبہ کا عزا خانہ آہ مدفن مجتہدین و علمائے ذی جاہ
 روضہ سبط نبی رشک جہاں عرش پناہ کسمپرسی و خرابی میں بصد حال تباہ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ اپنی کتاب ”سوانح حیات غفران مآبؒ“ میں صفحہ ۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ امام باڑہ جس سے قوم میں مجلسوں کی بنیاد قائم ہوئی اور اسی ارض پاک پر غفران مآبؒ کی آخری آرام گاہ اور مزار بھی ہے، غربی صحیحی وہ مقدس مقام ہے جہاں الپ کمیٹی کے فیصلے پر حکومت کی نظر ثانی ہونے کے سلسلے میں جب جناب نجم الملتہ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مرحوم المتوفی ۱۳۶۰ھ کا عدالت عالیہ میں اظہار ہو رہا تھا تو سرکار ناصر الملتہ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۶۱ھ قبر غفران مآبؒ کے حظیرہ کے پاس مصروف دعا تھے۔۔۔۔۔ شیعہ دنیا میں شام غریباں کی مجلس اسی عز خانے کی ایجاد اور یادگار ہے جس سے قوم کاجی بچی واقف ہے۔

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی مرحوم سوانحِ غفران مآب کے خاتمے پر رقم طراز ہیں کہ ”حضرت غفران مآب کے حالات لکھتے لکھتے میرا دل بھر آیا اور ان کے اس متبرک یادگار کا خیال آیا جو امام باڑہ غفران مآب کے نام سے موسوم ہے جس کی عظمت و جلالت کا اظہار میں نے ذیل کے چند اشعار میں کیا ہے۔ وہ یہ طبقہ ہے جس میں علم و حکمت کے بیش بہا خزانے مخفی ہیں اگر کسی دوسری قوم کے قبضہ میں ایسی زمین ہوتی تو یقیناً اس کی عمارت قابل دید ہوتی۔“

دی بگذر بخلوت خانہ غفران مآب ایدل
 چه محفل؟ عرش از وے اکتساب جلوہ می خواهد
 چه محفل؟ شرح اسرار نہاں پیدا شود از وے
 چه محفل؟ میدہد از بے زبانی شرح صد معنی
 چه محفل؟ روکش چرخ مکوب آں چنان رخشاں
 چه محفل؟ کعبہ ارباب عرفاں ہر کہ رفت آنجا
 فقیہ و ناقد اخبار، ادیب و شاعر ماہر
 بہر یک گوشہ جا بگرفتہ می خوابند در راحت
 شکستی عہد تقلید و گستی رشتہ الفت
 بیا آبادی این دشت ویراں را تماشا کن
 بیا ! در این حسینہ کہ صنع کبریا بینی
 بہر سو مخزنے یابی ز آیات الہیہ
 بلا تشریح ایں ذرات ارضی گر رواداری
 مدائن از علوم انبیا در ہر کف یابی
 بخاک آغشته می بینی دماغ عرش پیا را
 بہر سو معتکف بینی خداوندان تقوی را
 نشان مرتضی العصر و مجاہد فی سبیل اللہ
 نگہ کن مرقد استاذ کل مفتی علامہ
 چنان می تابد از صبح کفن ہر پیکرے ایں جا
 کفن پوشاں بہیں ہم چوں حمالہا غلاف اندر

بہیں زیر زمیں از عالمان باصفا محفل
 چه محفل؟ قدسیاں بگرفتہ در ہر گوشہ اش منزل
 بہنگام خموشی ہم بود از قصہ ہا ناقل
 سوالے کن ز خاک خفتگان یا ایہا السائل
 بتاریکی مدفن ہر یکی زانہا مہ کامل
 چه محفل؟ قبلہ اصحاب ایتقاں ہر کہ شد داخل
 حکیم و فلسفی و منطقی و واعظ فاضل
 ولے از خاک شاں جو شد منم دریائے بے ساحل
 ہمیں جائے تو باشد فائتہ یا ایہا الغافل
 سواد منظر شہر خموشاں را تماشا کن
 کشادہ ہر طرف بابے ز علم مرتضی بینی
 بہر جا دور دور اصفیا و اتقیا بینی
 بیا! تا جلوہ اسرار علم کبریا بینی
 بہر سردابہ نور مرتضی و مصطفی بینی
 بذرات لحد اجزائے قلب باصفا بینی
 بہر جا خیل خیل از پارساؤ اتقیا بینی
 ملاذ الخلق ما حامد حسین مقتدا بینی
 بخاک شوستر تا کیمیائے علم را بینی
 چراغ شاں مگر در زیر دامن قبا بینی
 بسر عمامہ یابی نہ بردوش عبا بینی

قدم از سر بنہ تا می توانی قطع این منزل
 بہیں این بقعہ کاں ہم پایہ خلد بریں باشد
 بسوے خود دل مای کشد ہر ذرہ این جا
 ز بے برگی خود این ارض مقدس شکوہا دارد
 ہنوز از رفتگاں یک خورده آثار و نشان باقیست
 الا! آرامگاہ قدسیاں اینست بیا بنگر
 بہشت شرع شد دار السرور لکھنؤ ازوی
 بخاک ہند نقش اولیں او شگرف آمد
 مدادش قطرہ زن چوں رشحہ ابر بہار آمد
 نگہ کن سید علامہ را در خواب گاہ او
 نشان گر از مزار حضرت سلطان دیں خواہی
 ہمایوں مضجع رضوان مآب آل خاصہ یزداں
 بیکسو مدفن اخلاف آن علامہ دوران
 ز انوار الہی جلوہا پیش نظر دارد

(نومبر ۱۹۲۳ء رجب الآخر ۱۳۴۲ھ لکھنؤ)

خاندان اجتہاد نمبر کا آٹھواں شمارہ نذر قارئین ہے چونکہ حسینہ غفران مآب کی باضابطہ پہلی تاسیس و تعمیر کو ۲۰۰ سال پورے ہو گئے ہیں یہی سبب ہے کہ اس بار ”عز خانہ غفران مآب“ ہی ادارہ میں مرکز تحریر و توجہ ہے اور ۱۹۸۴ء میں مفکر اسلام ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ کی کوششوں سے جو جدید تعمیر ہوئی وہ تو یقیناً دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اب ہمارے کاروانِ محسنین میں خطیب انقلاب مولانا حسن ظفر نقوی صاحب اجتہادی، علامہ نقوی مولانا سید علی محمد کے علاوہ جناب شاہت حسین رضوی، جناب ہمایوں صاحب (ایڈوکیٹ) اور جناب محمد عالم صاحب لکھنؤی شامل ہیں۔ امید ہے کہ گذشتہ شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی مفید قارئین ہوگا۔

خدمت العلماء والادباء

سید مصطفیٰ حسین نقوی سیف جاسی

موسسہ نور ہدایت، حسینہ غفران مآب

چوک، لکھنؤ۔ ۳